© rasailojaraid.com

مسلمانوں کا رُوحانی زوال

یعنی

اُن کی زندگی میں رجوع اِلی اللہ کا فقدان

یوسف سلیم چشتی

(دوسری قسط)

جب علمِ کلام نے فروغ پایا تو حسبِ ذیل مسائل زیرِ بحث آئے۔

(ا) خدا کی ذات کا خدا کی صفات سے کیا تعلق ہے؟ مثلاً صفاتِ باری، عین ذات ہیں یا غیر ذات ہیں، یا زائد بر ذات ہیں یا لاعین ولاغیر ہیں؟

(ب) انسان مجبور ہے یا مختار ہے؟

(ج) خدا تو خیرِ محض ہے، لہٰذا شر (EVIL) کہاں سے آیا؟

(د) خدا قدیم ہے اور کائنات حادث ہے۔ لیکن قدیم کسی حادث سے مربوط نہیں ہو سکتا تو تخلیق کیوں کر ممکن ہو سکی؟

یہ چار مسائل بطور نمونہ لکھ دیئے ہیں، ورنہ اس قبیل کے صدہا مسائل پیدا ہو گئے۔ اور چونکہ عقل (فلسفہ) کی مدد سے یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جن لوگوں نے اِن مسائل میں غور و خوض کیا۔ ان کے قلوب میں مختلف قسم کے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے۔ اور ان کا لازمی نتیجہ رجوع الی اللہ کے فقدان کی شکل میں ظاہر ہوا۔

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی زندگیوں میں رجوع الی اللہ کا جذبہ اس لئے نظر آتا ہے کہ اُن کے پیشِ نظر کلام اللہ تھا نہ کہ ارسطو کا فلسفہ، نیز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو متنبہ فرما دیا تھا کہ اللہ کی ذات و صفات میں غور و فکر ہرگز مت کرنا۔ کیونکہ ذاتِ باری انسان کی رسائی فکر سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ اس کی ذات میں فکر کا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور غور و فکر کرنا چاہتے ہو۔ تو اللہ کی مخلوقات یعنی کائنات میں غور کرو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہو کہ انسان میں دو بنیادی قوتیں ہیں، (۱) ذِکر (۲) فکر، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سے بڑھ کر ازل سے فطرتِ انسانی نہ آج تک پیدا ہوا ہے۔ نہ قیامت تک ہو گا۔ ان دونوں قوتوں کا صحیح مصرف متعین فرما دیا۔

(۱) اللہ ہمارا محبوب، مطلوب اور مقصود ہے، ہم اس کے لئے پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے، کہ اس سے محبت کی جائے، اگر اس میں غور و فکر کرنے لگو گے، تو وہ موضوع فکر بن جائے گا۔ اور جو چیز نقد و نظر کا موضوع بن جاتی ہے، وہ درجۂ محبوبیت سے ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ انسان اسے اپنے سے فروتر سمجھنے لگتا ہے۔ اور جسے وہ فروتر سمجھتا ہے۔ اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین نہیں کر سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا کرو" یعنی اس جیسے بننے کی کوشش کرو لیکن اگر ہم اللہ میں فکر شروع کر دیں۔ تو عقلاً ناممکن ہے، کہ ہم اسے اپنا مطمح نظر (آئیڈیل) بنائیں، جو شے موضوع بحث ہے وہ مقصود کیسے بن سکتی ہے! جس کی ہستی معرض بحث میں آ جائے وہ شئے محبوب کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔

(۲) کائنات ہماری خادم ہے یعنی وہ ہمارے لئے پیدا کی گئی ہے، اس لئے اس میں غور و فکر کرو یعنی یہ معلوم کرو کہ اسے کیسے مسخر کیا جائے؟

قرآن حکیم نے اولوا الالباب (صاحبانِ عقل سلیم) کی شناخت ہی یہ بتائی ہے کہ وہ (۱) اللہ کا ذکر کرتے ہیں یعنی اُس سے محبت کرتے ہیں (ذکر محبت ہی کی ترقی یافتہ شکل کا دوسرا نام ہے) اور (۲) تخلیق کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۵ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً ۵ (۳ - ۱۹۰)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بادیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اہل عقل کے لئے دلائل ہیں۔ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی یاد کرتے ہیں (اس کا ذکر کرتے ہیں) کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (یعنی ہر وقت) اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (کی حکمتوں) میں غور و فکر کرتے ہیں (اور جب ایسا کرتے ہیں تو پکار اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! آپ نے اس کو لا یعنی پیدا نہیں کیا۔

جب تک مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ارشادات کو مدنظر رکھا وہ اللہ کا ذکر کرتے رہے یعنی انمیں رجوع الی اللہ کا جذبہ برقرار رہا۔ لیکن جب انہوں نے اپنی توجہ کتاب اللہ سے ہٹا کر فلسفۂ ارسطو پر مرکوز کر دی۔ تو معاملہ دگرگوں ہو گیا یعنی وہ اللہ میں فکر کرنے لگے اور کائنات کا ذکر کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رجوع الی اللہ کا جذبہ کمزور ہوتا چلا گیا اور دُنیا محبوب اور مقصود بنتی چلی گئی۔

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی معاملات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کو لازمی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔ یعنی انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لئے وہ کوشش کرے، مگر یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہر معاملہ میں جدوجہد کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی استعانت کرتے رہو یعنی کامیابی کے لئے محض تمہاری جدوجہد کافی نہیں ہے۔ اگر ہمارا فضل وکرم شامل حال نہ ہوگا تو سب کوشش دھری کی دھری رہ جائے گی، مثلاً

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ (۱۶ - ۱۲۷)

(اے رسولؐ! دعوتِ حق کی خاطر ہر مصیبت میں) ثابت قدم رہئے (لیکن یہ یاد رہے کہ) جب تک اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو آپ ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔

حضورؐ سے خطاب کے پردے میں ہمیں تعلیم دینی مقصود ہے کہ ہم اپنی جدوجہد میں کسی وقت اور کسی مرحلہ میں استعانت یعنی رجوع الی اللہ سے غافل نہ ہوں، استعانت (مدد طلب کرنے) کا مطلب رجوع الی اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے بس اللہ ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم ہر وقت ہر معاملے میں اس کی طرف رجوع کریں، اسی لئے صوفیائے کرامؒ نے ذکر کو سالک کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ ذکر دراصل رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بلکہ اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھی ذکر کی مداومت کا حکم دیا تاکہ یہ حضرات کسی وقت بھی اللہ سے غافل نہ ہوں چنانچہ جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور فرعون سے مقابلے پر مامور فرمایا۔ تو پہلا حکم یہ دیا (میری یاد کے لئے نماز کو قائم کرو، اور آخری حکم بھی یہی دیا کہ دیکھنا! میری یاد سے غافل نہ ہو جانا۔

اَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ○ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (۲۰ - ۱۴)

اے موسیٰؑ میں نے تجھے نبوت کے لئے منتخب کیا ہے۔ پس سن جو تجھ کو وحی کی جاتی ہے۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا ساری کائنات میں دوسرا اِلٰہ (واجب الوجود) موجود نہیں ہے، پس تو میری ہی اطاعت کر، اور میرے ذکر (میری یاد) کے لئے نماز قائم کر۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ○ (۲۰ - ۴۲)

(ہاں) تو اور تیرا بھائی تم دونوں میرے عطا کردہ معجزات لے کر (فرعون کا مقابلہ کرنے کے لئے) جاؤ، اور (خبردار) تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا (میرے ذکر سے غافل مت ہو جانا)

غور کیجئے! اللہ نے اپنی یاد کی اہمیت اور قدر وقیمت کیسے موثر انداز میں واضح فرمائی ہے! موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ہم نے تمہیں عصا بھی عطا کر دیا ہے۔ اور ید بیضا بھی مگر تم ان معجزات پر بھروسہ کر کے کہیں ہماری یاد سے غافل نہ ہو جانا۔ یعنی جب معجزات دکھاؤ۔ تو اس وقت بھی ہماری ہی طرف رجوع کرنا کہ اے اللہ اگر تیرا فضل وکرم شامل نہ ہوا تو یہ میرا ید بیضاء اور یہ عصا سب بیکار ہو جائیں گے

جب ذکر الٰہی یعنی رجوع الی اللہ انبیاء کے لئے بھی ضروری ہے، حالانکہ نبی تو ہر وقت اللہ کی نگاہوں کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ قدم قدم پر اس کی تائید فرماتے ہیں۔ اور اُسے ہر گناہ سے بچاتے ہیں، بالفاظ دِگر نبی کا رابطہ تو پہلے ہی سے استوار ہوتا ہے تو ہمارے لئے کس درجہ ضروری ہوگا؛ اس کا اندازہ قارئین خود کر سکتے ہیں، ہمارے پاس تو نہ عصاء ہے نہ ید بیضاء !!

اسی لئے سیدی ومرشدی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فتوح الغیب میں یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی موحد اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو بکلی اللہ کے حوالے کر دے۔ اور اس کی مشیئت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اور یہ یقین رکھے کہ جب تک اس کا فضل وکرم شامل حال نہ ہوگا۔ میں بذات خود کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مقالۂ سوم میں فرماتے ہیں:

ثم یعجزہ الخالقُ عزوجلّ عن الدعاء ولم یجبْہ حتی ینقطع عن جمیع الاسباب فحینئذٍ ینفذ فیہ القدرُ ویفعلُ فیہ الفعلَ فیفنی العبدُ عن جمیع الاسباب والحرکاتِ فیبقی روحاً فقط فلا یری الا فعلَ الحق عزوجلّ فیصبرُ موقناً موحداً ضرورۃً فیقطع ان لا فاعل فی الحقیقۃِ الا اللہُ ولا محرّکَ ولا مسکنَ الا اللہ ولا خیر ولا شرُ ولا ضرَ ولا نفعَ ولا عطاءَ ولا منعَ ولا فتح ولا غلقَ ولا عزّ ولا ذلّ ولا غنیٰ ولا فقر ولا موت ولا حیوٰۃ الا بیدِ اللہ۔ فیصیرُ حینئذٍ فی القدر کالطفل الرضیع فی ید الظیرِ والمیت الغسیل فی ید الغاسل والکرّۃ فی صولجان الفارس، الخ

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی آزمائش کرتا ہے۔ تو اسے گرفتارِ بلا کر دیتا ہے۔ اندریں حالات وہ بندہ پہلے حتی المقدور اپنی سی کوشش کرتا ہے۔ پھر مخلوقات سے استمداد کرتا ہے۔ مثلاً سلاطین، اربابِ دولت، اہلِ طب۔ لیکن جب کسی سے حاجت روائی نہیں ہوتی تو بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتا ہے۔ جب یہاں بھی مایوسی ہوتی ہے یعنی) جب دعا بھی قبول نہیں ہوتی تو انجام کار وہ بندہ تمام اسباب ظاہری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت قدر ([illegible]) ایزدی اس کی زندگی میں نفاذ کرتی ہے اور اس میں اپنا فعل کرتی ہے پس بندے کو فنا کر دیتی ہے۔ تمام اسباب ظاہری سے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بندہ محض روح رہ جاتا ہے۔ پس اب وہ ساری کائنات میں حق تعالیٰ ہی کی فعلیت کو دیکھتا ہے اِسے ہر طرف اللہ ہی فاعل اور مُوثر نظر آتا ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد وہ بندہ بغیر اختیار خویش صاحب یقین اور صاحب توحید بن جاتا ہے۔ پس وہ اس حقیقت پر پختہ اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔ اور اللہ کے سوا نہ کوئی حرکت دینے والا ہے نہ سکون دینے والا، اور خیر و شر نفع و ضرر، عطاؤ منع، کشادگی اور بندش، عزت اور ذِلت، تونگری اور افلاس، موت اور زندگی سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس منزل قضاؤ قدر الٰہی پر پہونچ کر بندہ مشیئت ایزدی کے سامنے اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح ایک طفل شیر خوار، دایہ کے ہاتھ میں یا مُردہ، غسال کے ہاتھ میں یا گیند چوگان سوار کے ہاتھ میں (یہ لوگ جس طرح چاہیں بچے یا مردے یا گیند کو حرکت دیں)،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا امام الاولیاء، راس الاتقیاء، رئیس الموحدین، قدوۃ الواصلین، سیدی و مولائی غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رح کی رائے میں مسلمان موحد بنتا ہی تب ہے۔ جب رجوع الی اللہ کے جذبے کو بدرجۂ کمال پر پہونچا دے، یہاں تک کہ اس کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا درحقیقت کوئی فاعل ہی نہ رہے اور وہ خود مشیئت ایزدی کے سامنے ایسا ہوجائے جیسا مُردہ، غسال کے ہاتھ ہیں،

یہ ہے ہمارے صوفیائے کرام رح کی تعلیم وتلقین، رجوع الی اللہ کے باب ہیں، لیکن جب مسلمانوں نے قرآن وحدیث کے بجائے فلسفۂ مشائین کو معیارِ حق وباطل بنالیا اور قرآن کو اس کی روشنی میں پڑھنا شروع کیا تو کچھ عرصہ کے بعد خدا ہی معرضِ شک میں آگیا اور ہر شخص جانتا ہے کہ جس کی ہستی میں شک ہو اس کی طرف رجوع کرنا محال عقلی ہے،

مسلمان حکمار نے اور خصوصاً معتزلہ نے اپنی ساری کوشش اس بات پر صرف کردی کہ قرآنی تصورِ خدا کو ارسطو کے پیش کردہ تصور سے مطابق کردیا جائے، تفصیل تو موجب طوالت ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ ان کی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا پیش کردہ خدا، جو علی کل شئی قدیر، فعال لما یرید، سمیع وبصیر اور غفور رحیم ہے، محض ایک منطقی تجرید بن کر رہ گیا۔ صفات سے بھی محروم ہوگیا اور علمِ جزئیات سے بھی محروم ہوگیا۔ اب ناظرین خود غور کریں کہ جو خدا نہ جزئیات کا علم رکھتا ہے اور نہ کوئی ارادہ کرسکتا ہے۔ نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتا ہے۔ اس کی طرف انسان رجوع کس طرح کرسکتا ہے

قرآن کے نزول کا مقصد، منطق اور فلسفہ کے ماہرین کی جماعت تیار کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس لئے نازل ہوا کہ دنیا میں اللہ کے عاشقوں کی جماعت تیار ہوجائے جو اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے حوالے کردیں۔ اور اس کے عوض جنت خریدلیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اوران کے اموال، جنت کے بدلے میں خریدلئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں صحابۂ کرام رض کی جماعت میں کوئی فلسفی نظر آتا ہے۔ نہ منطقی اور نہ متکلم، عاشق کو بحث ومباحثہ سے کیا سروکار؟ اس کا کام تو محبوب حقیقی کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہوتا ہے، جب منطق آتی ہے۔ تو عشق رخصت ہوجاتا ہے

متکلمین نے معتزلہ اور فلاسفہ کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی اور علم کلام اسی کوشش کا اصطلاحی نام ہے۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے، کہ نہ وہ اپنے حریفوں کو ساکت کرسکے اور نہ عقلاً ذات وصفات کے ربط باہمی کو متعین کرسکے، معتزلہ نے کہا کہ صفاتِ باری، عین ذات ہیں، متکلمین میں سے بعض نے کہا، کہ صفاتِ باری غیر ذات ہیں، لیکن ان جوابوں سے معترض کی تسلی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ مسئلہ عقل کی مدد سے طے ہوسکتا ہے تو قرآن خود بتادیتا کہ ذات وصفات میں کس قسم کا علاقہ ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ مسائل عقل کی دسترس ہی سے بالاتر ہیں، اسی لئے قرآن نے مسلمانوں کو ان مسائل سے محترز اور مجتنب رہنے کی تلقین کی۔ ان مسائل میں منہمک ہوجانے سے رجوع الی اللہ ہی کا جذبہ سرد نہیں ہوتا۔ بلکہ جہاد کا ولولہ و عمل کا جذبہ بھی ختم ہوجاتا ہے،

قصہ مختصر یہ کہ معتزلہ اور متکلمین میں کئی سو سال تک مناظرے کا بازار گرم رہا مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا، کوئی فریق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے کو مطمئن نہ کرسکا۔ بقول اکبر آلہ آبادی؎

صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

ہمارے زمانے میں مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے الکلام لکھی، لیکن حدوث و قدمِ عالم کے مسئلے میں حکماء (فلاسفہ) کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے یعنی صاف لفظوں میں قدامتِ عالم کا اعتراف کر لیا یعنی ارسطو کا مسلک اختیار کر لیا۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر علمِ کلام سے اسلام یا مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچا؟ بات تو جب تھی کہ مولانا حدوثِ عالم کا اثبات کرتے

سچ کہا ہے شیخ سعدی نے؎

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز حرفِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی! بشوئے نقشِ دوئی راز لوحِ دل
علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

جس علم کا نتیجہ یہ نکلے کہ عالمِ کفر کے سامنے ہتھیار ڈال دے، اُس سے جہالت اچھی،

مرحوم کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے علمِ کلام میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام ہے "اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید" دراصل یہ کتاب سات لیکچروں کا مجموعہ ہے۔ جنہیں سے پہلے چھ لیکچر مرحوم نے ۱۹۲۹ء میں مدراس میں دیئے تھے، ساتواں لیکچر ۱۹۳۲ء میں لندن میں دیا تھا۔ ان خطبات میں اقبال نے مذہب اور فلسفہ میں تطبیق کی کوشش کی ہے یعنی اسلامی تعلیمات کو عقل کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (یہی علمِ کلام ہے) مگر جب یہ سوال اُٹھایا کہ،

"کائنات میں اخلاقی شر (بدی) بھی موجود ہے اور طبعی (کونی) شر بھی موجود ہے۔ اور کوئی شخص شر کی واقعیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ تو سوال یہ ہے کہ خدا کی صفتِ خیر اور قدرتِ مطلقہ میں اور شر کی اس فراوانی میں، جو اُس کی پیدا کردہ کائنات میں پایا جاتا ہے۔ موافقت یا ہم آہنگی کس طرح کر سکتے ہیں؟ خدا اگر خیرِ مطلق اور قادرِ مطلق ہے تو شر (بدی) کہاں سے آیا؟ اگر اُس نے روا رکھا تو وہ خیرِ مطلق نہ رہا اور اگر وہ دفع نہ کرسکا تو قادرِ مطلق نہ رہا، بالفاظِ دگر یہ شر یا تو اس کی مرضی سے ہے یا نہیں ہے، اگر اس کی مرضی سے ہے تو وہ خیرِ مطلق نہ رہا اور اگر اس کی مرضی سے نہیں ہے۔ تو وہ قادرِ مطلق نہ رہا۔ کیونکہ اگر وہ قادرِ مطلق ہوتا۔ تو اُسے دفع کر دیتا۔ یہ مسئلہ دراصل الٰہیات میں مشکل ترین مسئلہ ہے۔ بلکہ ایک معما ہے ......"

لیکن جب علامہ مرحوم اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، تو ابتدا ہی میں اپنی بے بسی اور عقل کی عاجزی کا اعتراف کر لیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں؎

کائنات کے متعلق ہمارا علم فی الحال جس منزل میں ہے۔ اس کی رو سے ہم اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں" (ص ۷۶ و ص ۷۷ کتاب مذکور مطبوعہ لندن ۱۹۳۴ء)

اتنا اور لکھدوں کہ علامہ اقبال ہی نے اپنی بے بسی اور عقل کی عاجزی کا اعتراف نہیں کیا۔ دنیا میں جتنے متکلمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذرے ہیں، سب نے اس بھاری پتھر کو اسی طرح چوم کر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی کسی نے بھی اس سوال کا کوئی شافی جواب نہیں دیا ہے۔ اور علم کلام میں اس قسم کے بہت سے سوالات ہیں جن کا آج تک کوئی متکلم تسلی بخش جواب نہیں دے سکا ہے کیوں؟ اس لئے کہ دے نہیں سکتا۔ جب انسان اپنے آپ (نفس ناطقہ) ہی کو نہیں سمجھ سکتا (کہ میں کیا ہوں؟) تو وہ غیر (کائنات اور خدا) کو کیا سمجھ سکتا ہے؟

پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم عقل سے کسی ایک مسئلے کو بھی نہیں سمجھ سکتے تو پھر علم کلام کا فائدہ کیا ہے؟ اس جگہ ازراہ تفاخر نہیں بلکہ بطور اظہار حقیقت یہ بات لکھتا ہوں کہ میں نے فلسفہ اور کلام کے مطالعہ میں اپنی زندگی کے چالیس سال ضائع کئے ہیں، بس اس تمام مدت میں یہی دھن سوار رہی کہ شاید دنیا کے کسی فلسفی یا متکلم نے کائنات کے معمے کو حل کر دیا ہو، اس لئے کپلؔ اور گوتمؔ سے لے کر بریڈلے اور برگساں تک دنیا کے تمام حکماء کی تصانیف کا مطالعہ کیا مگر کسی ایک سوال کا بھی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ جواب تو کیا ملتا؟ دماغ صدہا شکوک اور اعتراضات کا خزانہ بن گیا۔ اگر عنایت ایزدی میری دستگیری نہ کرتی اور شیخ اکبرؒ، مرشد رومیؒ، عارف جامیؒ اور مجدد الف ثانیؒ کی بارگاہ عالیہ تک رسائی نہ ہوتی تو آج میں کپلؔ اور ہیومؔ، شوپن ہار اور میک ٹیگرٹ سے بھی چار قدم آگے ہوتا۔

فلسفہ اور علم کلام کی بے مائگی نے مجھے تصوف کی آغوش میں پناہ لینے پر مائل کیا، یہیں آکر دل کو سکون حاصل ہوا۔ سچ کہا ہے اقبال نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی   دلیل او، دلیل ناتمامی
برویم بستہ در ہا را کشاید   دو بیت از پیر رومیؒ یا ز جامیؒ

میں ساری عمر کے غور و فکر کے بعد علیٰ وجہ البصیرت یہ بات لکھتا ہوں کہ انسان کو اگر تسلی مل سکتی ہے تو تصوف اسلام میں جو عقل کے بجائے عشق کو رہنما بنانے کی تلقین کرتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ راز دہر اور راز خودی صرف عشق کی بدولت منکشف ہو سکتا ہے۔ اسی لئے تو علامہ اقبال نے آخر عمر میں اللہ سے یہ دعا مانگی تھی،

عطا اسلاف کا جذب دروں کر   شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں   مرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

اقبال نے یہ دعا کیوں مانگی؟ اس لئے ساری عمر فلسفہ کا مطالعہ کیا لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی۔

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز   بناخن سینہ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی   خودی را فاش تر دیدن بیاموز

بس یہی فرق ہے عقل اور عشق میں! عقل ساری عمر "دانستن" کے چکر میں پھنسی رہتی ہے مگر نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے   سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم   (خواجہ میر دردؒ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن عشق "دانستن" کا قائل نہیں وہ "دیدن" کا درس دیتا ہے۔ اور ایک صوفی "دیدن" کی گردان کرتا ہے تو سب حجابات دور ہو جاتے ہیں اور اسے حقیقت نظر آجاتی ہے کہ،

کثرت این نقشہا عرض تجلی ہائے اوست
در دو عالم غیر یک نقاش کس موجود نیست (جان جاناں رح)

اسی لئے مرشد رومی رح نے یہ نکتہ تلقین فرمایا:۔

آدمی دیداست باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

اور مرشد رومی رح کی اتباع میں اقبال بھی یہی کہتے ہیں:

بر مقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

الغرض فلسفی ساری عمر استدلال میں بسر کر دیتا ہے اور جہاں تھا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عاشق جب عشق کے پر لگا کر اڑتا ہے تو سدرۃ المنتہیٰ کی خبر لاتا ہے

اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے عالم اور صوفی میں جو فرق ہے اُسے یوں واضح کیا ہے۔

فرق کیا عالم و صوفی میں بتاؤں تم کو
اس کی صحبت میں کٹی اُس کی محبت میں کٹی

رجوع الی اللہ کے فقدان کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی یعنی نہایت قلیل مدت میں، مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ، چین کی سرحد سے لے کر بحر ظلمات تک پھیل گیا۔ حکومت اپنے ساتھ دولت لائی، دولت کا لازمی نتیجہ عیش و عشرت یعنی "طاؤس و رباب" ہوتا ہے

آ تجھ کو بتاؤں میں، تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر (اقبال)

اور ہر شخص جانتا ہے کہ عیش و عشرت میں خدا بہت کم یاد آتا ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض بادشاہوں مثلاً سلطان نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود بیگڑا، اور عالمگیر نے مجاہدانہ زندگی بسر کی مگر اکثر سلاطین اور عامۃ المسلمین دولت اور شہرت کے نشے میں خدا سے غافل ہو گئے، اور ایسے غافل ہوئے کہ جب "بتوں" نے رنج دینا شروع کیا۔ تو بھی خدا یاد نہ آیا۔

تیسرا بڑا سبب یہ ہے کہ گذشتہ سو سال سے مسلمانوں کے دل و دماغ پر مغربی تہذیب اثر انداز ہو رہی ہے، اور عصر حاضر میں یہ اثر اس قدر شدید ہو گیا ہے، کہ اب روئے زمین کے تمام مسلمان اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی شعائر سے بڑی حد تک بیگانہ ہو چکے ہیں، اقبال نے اس شعر میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے

می شناسی عصر ما با ما چہ کرد از جمال مصطفےٰ بیگانہ کرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال نے اس شعر میں شاعری نہیں کی ہے بلکہ حقیقت بیان کی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ دین کے حسن و جمال سے بالکل بیگانہ ہو چکے ہیں، اور یہ اسی بیگانگی کا نتیجہ ہے کہ اب ہمیں نہ اپنے دین میں کوئی خوبی نظر آتی ہے، اور نہ اپنی تہذیب میں کوئی دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے دل و دماغ ہی غیر اسلامی نہیں ہو گئے بلکہ تمدنی، ثقافتی، معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی زندگی کا سانچہ غیر اسلامی ہو چکا ہے۔ اندریں حالات جبکہ ہمیں اپنے دین سے کوئی قلبی رابطہ باقی نہیں رہا — ہماری قوم کے اکثر تعلیم یافتہ افراد یہ کہتے وقت بالکل نہیں شرماتے کہ چودہ سو سال پرانا آئین اس زمانے کے لئے موزوں نہیں ہے — رجوع الی اللہ تو بڑی بات ہے، رجوع الی اللہ کے جذبے ہی کو ملائیت کا نام دے کر زندگی سے خارج کر دینے کی تلقین کی جا رہی ہے

آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے
عرش باقی تھا سو وہ بھی زدِ شک میں آگیا،

میں نے مصلحتاً محض اشارات و کنایات پر اکتفا کی ہے، ناظرین خود اپنے گرد و پیش کے حالات کا معائنہ کر کے اس خاکے میں رنگ بھر سکتے ہیں

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

طریق کار:

یہ صحیح ہے کہ ہم ابھی تک گردان فرنگی کے لگائے ہوئے اشجارِ ملعونہ کے اثمارِ تلخ سے اپنے کام و دہن کو سرفراز فرما رہے ہیں یعنی بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں، لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، ملت اسلامیہ کا مرض مزمن تو ہے مگر لاعلاج نہیں ہے، کیوں؟ اس لئے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، یعنی آپؐ کا روحانی فیضان بدستور جاری ہے۔ ہم جس وقت بھی آپؐ کے بحرِ نیسان سے ایک جام بھر کر اپنے حلق کے نیچے اتار لیں گے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے — سچ کہا ہے اقبال نے

مصطفےٰ بحر است و موجِ او بلند
خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند

یعنی ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم آپؐ سے اپنا رابطہ قلبی استوار کر لیں

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست (اقبال)

اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم آپؐ کے عاشقوں کی صحبت اختیار کریں، کیوں؟ اس لئے کہ صحابۂ کرامؓ میں رجوع الی اللہ (محبت الٰہی) کا جذبہ کتابیں پڑھنے سے پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرنے سے پیدا ہوا تھا

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر (اقبال)

اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، رجوع الی اللہ کا جذبہ انہی افراد میں کارفرما نظر آتا ہے جنہوں نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے عہد کے اللہ والوں کی صحبت اختیار کی، چند مثالیں لکھتا ہوں

۱۔ سلطان شمس الدین التمش میں رجوع الی اللہ کا جذبہ اس لئے پیدا ہوا کہ اس نے قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی صحبت اٹھائی تھی ــــ اور

۲۔ سلطان فیروز تغلق نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی جوتیاں سیدھی کی تھیں، اور

۳۔ سلطان محمود بیگڑے نے حضرت شاہ نور عالمؒ سے اخذ فیض کیا تھا،

۴۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی چوکھٹ کو بوسہ دیا تھا۔

۵۔ سید احمد صاحب رائے بریلویؒ نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے آستانہ پر حاضری دی تھی،

۶۔ نواب نجیب الدولہ نے حضرت میرزا مظہر جانجاناںؒ سے رابطۂ قلبی استوار کیا تھا۔

۷۔ سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ شیوخ عالم بابا فرید الدین گنج شکر کے دروازے کی خاک کو طوطیائے چشم بنالیا تھا،

۸۔ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کی خانقاہ میں جاروب کشی کی سعادت حاصل کی تھی،

۹۔ شیخ العرب والعجم سیدی و مولائی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب چشتی مہاجر مکی نے حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی،

۱۰۔ حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ نے حضرت مولٰنا فخر الدین چشتی سے خلافت حاصل کی تھی،

ان مثالوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سلف سے یہی طریق رہا ہے، کہ طالبانِ حق نے عاشقانِ حق کی صحبت اختیار کی ہے بالفاظ دگر چراغ سے چراغ جلتا چلا آیا ہے، کتابوں کے مطالعہ سے اللہ تو کیا ملتا کوئی شخص اپنے روحانی امراض بھی دور نہیں کر سکا مثلاً ہر عالم، مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث پڑھتا ہے اور اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے

اِنَّ الحسدَ یاکلُ الحسناتِ کما النارُ تاکلُ الحطبَ، بیشک حسد انسان کی نیکیوں کو اسی طرح کھا کر فنا کر دیتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے تو کیا محض اس حدیث کے پڑھ لینے سے پڑھنے اور پڑھانے والوں کے دلوں سے حسد کا ازالہ ہو سکتا ہے یا ہوا ہے! دنیا میں وہ عالم کونسا ہے، جو مجمع عام میں اللہ کو شاہد کرکے یہ اعلان کر سکتا ہے کہ جب میں نے یہ حدیث پڑھی تو میرے دل سے حسد کی صفت مذمومہ زائل ہو گئی!

یہ عیب تو طبیب روحانی کے "اِن ڈور پیشینٹ وارڈ" میں کچھ عرصہ تک رہنے ہی سے دور ہو سکتا ہے۔ اس وارڈ کو تصوف کی اصطلاح میں خانقاہ کہتے ہیں، اگر جسمانی امراض محض طبی کتابوں کے مطالعہ سے دور نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس مقصد کے لئے اطباء کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تو روحانی امراض محض احیاء العلوم یا عوارف المعارف یا مرصاد العباد یا کشف المحجوب یا کتاب اللمع کے پڑھ لینے سے کیسے دور ہو سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے مخالفین بھی ان پیش پا افتادہ حقائق کو جانتے ہیں، کیونکہ جب ان میں سے کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو وہ بازار سے اوزار اور کتابیں خرید کر اپنا اپریشن خود نہیں کرتا۔ بلکہ کسی اکسپرٹ (ماہر فن) کے کلینک (دار العلاج) میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے اور اپنے جسم کو بکلی اس کے حوالے کر دیتا ہے، لیکن یہ کوتاہ بین حضرات، چونکہ اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو ارسطو اور افلاطون کا ہم پلہ سمجھتے ہیں — کسی کو اپنی تقریر پہ ناز ہوتا ہے، کسی کو اپنی تحریر پہ غرہ ہوتا ہے، بلکہ بعض انشا پردازوں اور مدیران جرائد کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، جنہیں اپنی عبارت آرائی پر اس قدر گھمنڈ ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر کوئی مضمون طباعت کے لئے بھیجتے ہیں تو انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ کل صبح، مضمون پڑھنے کے بعد سینکڑوں آدمی ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں گے اور ہزاروں افراد عقیدتمندوں میں داخل ہو جائیں گے، غرضیکہ شیطان ان لوگوں کے کانوں میں پھونک دیتا ہے، کہ آج آسمان کے نیچے تحریر یا تقریر یا تنظیم یا تصنیف یا ...... میں کوئی شخص تیرا ہمسر نہیں ہے، اگر آج سحبان وائل یا امرءالقیس یا مبرّد یا جاحظ یا ابن قتیبہ یا نظام یا ابوالہذیل یا رازی زندہ ہوتا۔ تو تجھ سے بلاغت یا شاعری یا انشا پردازی یا فلسفہ یا منطق یا علم کلام سیکھتا، پھر ستم بالائے ستم یہ ہوتا ہے کہ جاہل عقیدتمندوں کا ایک حلقہ ان کے چاروں طرف جمع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے افراد اپنے مصالح خصوصی کی بنا پر، ان حضرات کو "دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مفکر" قرار دے دیتے ہیں

اندریں حالات ان لوگوں کے لئے یہ بات عملاً ناممکن ہو جاتی ہے کہ شہرت کی مسند سے نیچے اتر کر کسی اللہ والے کے سامنے زانوئے عقیدت تہ کریں اور اس کو اپنا مرشد تسلیم کر کے اپنی عاجزی، فروتنی اور کم سوادی، کا اعتراف کریں۔ اور اس کے "اندر" رہ کر اپنی اصلاح کریں۔

اسی لئے یہ لوگ اپنی کمزوری (خودبینی، تکبّر، عُجب، زعم، ہمہ دانی) کو چھپانے کے لئے تصوف اور ارباب تصوف پر زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت برباد کرتے رہتے ہیں

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں نہد
(مرشد رومی)

یہ لوگ تصوف پر اس قسم کے رکیک اعتراضات کرتے ہیں، جن کو پڑھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے مثلاً تصوف سے اجتناب لازم ہے، کیونکہ اکثر صوفیوں کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوتی۔ اکثر افراد بے عمل ہوتے ہیں، خانقاہیں برائیوں کا مرکز بن گئی ہیں وغیرہ، وغیرہ

اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سے بھی اجتناب لازم ہے کیونکہ اکثر مسلمانوں کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوتی۔ اکثر علماء بے عمل ہوتے ہیں اور مدارس دینی برائیوں کا۔ اختلافاتِ باہمی کا اور تکفیر باہمی کا مرکز بن گئے ہیں، اکثر علماء آپس میں مصروف جدال رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ، مخالفینِ تصوف ہمارے اس اعتراض کا جو جواب دیں گے انشاءاللہ وہی جواب ہم انہیں دے کر ساکت کر دیں گے۔ بلکہ ایک اعتراض اور ان پر مسلط کر دیں گے کہ حضرات ! کنوئیں بند کرا دیجئے، ادیوں کی تیاری بند کرا دیجئے، ریلیں بند کرا دیجئے، ہوائی جہاز بند کرا دیجئے، چاقو، چھری، بندوق کا نام مٹا دیجئے کیونکہ ان سب چیزوں سے آئے دن موتیں واقع ہوتی رہتی ہیں۔

حرفِ آخر، رجوع الی اللہ کا جذبہ صرف اہل اللہ یعنی اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے پیدا ہو سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں ہے، اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے! چراغ ہی سے چراغ جلتا چلا آیا ہے اور اسی طرح جلتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلا جائے گا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ کے غلاموں سے، اللہ کے عاشقوں سے، یعنی اللہ والوں سے نہ کوئی دور خالی گذرا ہے، نہ انشاء اللہ قیامت تک خالی گزرے گا۔ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور سُنتہ اللہ کے بھی خلاف ہے کہ مُغوی (شیطان) کا نمائندہ تو ہر زمانے میں موجود ہو اور ھادیؐ (سرکارِ مدینہؐ) کا نمائندہ موجود نہ ہو، اگر یہ کہا جائے کہ اب حضورؐ کی قوتِ قدسی اور قوتِ افاضہ (نعاکم بدہن) ختم ہوگئی ہے۔ تو پھر ختمِ نبوت کا عقیدہ باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر زمانے میں حضور انورؐ کے جانشین موجود رہے ہیں، آج بھی موجود ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہیں گے،

حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ زندہ ہیں ——— اور آپؐ کا فیض بدستور جاری ہے لہٰذا میں مسلمانوں کو صلائے عام دیتا ہوں کہ اگر اللہ سے رابطہ استوار کرنا چاہتے ہو، تو اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو،

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
(مرشد رومیؒ)
گر تو سنگِ خارہ و مرمر بوی
چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی

رباعی

دل میں اب غیر کا خیال آیا ہے
وحدت کے کمال میں زوال آیا ہے
دو ذات اور ایک وجود کا قائل ہوں
آئینۂ توحید میں بال آیا ہے ○

قطعہ

میری کوشش حل نہیں سکتی
تیری شئیت میں نہیں سکتی
میرے ایمان سے نہیں بنتی
لا الٰہ الا انت ○

رباعیات امجد

رباعی

مشغل عاشق ہے یہی معشوق ہے ہمہ تن
موجود ہے یہی معبود ہے ہمہ تن
ہم سا یہی خدا کا اک ایک ہمہ تن
ساکن ہے [illegible] ہمہ تن ○

رباعی

یاں عرش سے فرش تک کوئی غیر نہیں
یاں کعبہ و دیر میں کوئی غیر نہیں
ہم وحدت میں غیر کا نام نہ لو
جب غیر کا ذرا اثر نہیں ○

© rasailojaraid.com